اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے

براهینِ و معجزات کا انسائیکلوپیڈیا

محمد ﷺ کی نبوت اور قرآنِ کریم کی سچائی کے دلائل

سائنسی معجزات · تاریخی و آثاری شواہد · پوری ہونے والی پیشین گوئیاں

تورات و انجیل کی بشارتیں · جِن، جادو اور غیب کی دنیا

اِتنی آسانی سے سمجھایا گیا کہ بچہ بھی سمجھ لے · 157 رنگین خاکے

157 دلائل، قوّت کی ترتیب سے

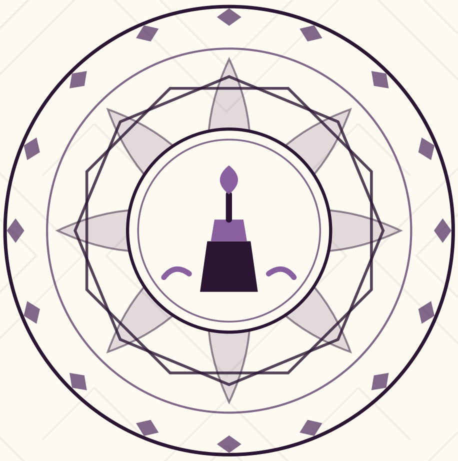

پانچواں باب

جِن، جادو اور غیب کی دنیا

ایک حقیقی دنیا جس کی خبر اللہ نے دی، اور ہر قوم کی تاریخ نے اُس کی گواہی دی؛ اور وہ ثابت شدہ واقعات جو نبی ﷺ کے ساتھ، آپ کے صحابہ کے ساتھ، اور آج تک عام لوگوں کے ساتھ پیش آئے۔

18 دلائل

جنّوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا

کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنّوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر سنا، پھر کہنے لگے: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، جو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے

سورہ جنّ — آیات 1-2

جنّات ایک مکلّف مخلوق ہیں: ان میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی

آسان لفظوں میں

جنّات ایک حقیقی مخلوق ہیں جنہیں اللہ نے آگ سے پیدا کیا۔ ہم انہیں نہیں دیکھتے اور وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔ اور قرآن میں **ایک پوری سورت انھی کے نام سے** ہے، جو بتاتی ہے کہ ان کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور اس پر ایمان لے آئی۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

عرب جنّات کو جانتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے؛ بلکہ ان میں سے کچھ لوگ **ان کی پناہ لیتے** تھے، ان کی پوجا کرتے اور سفر میں ان سے حفاظت مانگتے تھے — جسے خود اسی سورت نے بیان کیا: «اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنّوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، سو انہوں نے ان کا بوجھ اور بڑھا دیا»۔ وہ انہیں علمِ غیب کا حامل سمجھتے اور ان سے کہانت سیکھتے تھے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

اسلام نے **نہ ان کے وجود کا انکار کیا اور نہ اس میں مبالغہ** — بلکہ اسے نہایت باریکی سے ضابطے میں لایا: ان کا وجود ایک مکلّف مخلوق کے طور پر ثابت کیا جس میں نیک بھی ہیں اور بد بھی؛ ان سے علمِ غیب کی قطعی نفی کی («اور یہ کہ ہم نے گمان کیا تھا کہ انسان اور جنّ اللہ پر ہرگز جھوٹ نہ باندھیں گے»، اور «اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے»)؛ **ان سے پناہ مانگنا حرام کیا** اور اسے شرک ٹھہرایا؛ اور کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جانا حرام کیا۔ یوں حقیقت کو باقی رکھا اور خرافات اور غلامی دونوں کو مٹا دیا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ ایک ایسا **توازن ہے جس کی مثال آس پاس کہیں نہیں ملتی**۔ مذاہب اور ثقافتیں یا تو ارواح کی دنیا کو اتنا بڑھا دیتی ہیں کہ اسے علم و قوّت کا سرچشمہ بنا کر پوجتی اور راضی کرتی ہیں، یا اس کا سرے سے انکار کر کے اسے خرافات قرار دیتی ہیں۔ قرآن نے تیسرا راستہ اختیار کیا: **وجود ثابت کیا، عبادت باطل کی، اور علمِ غیب کی نفی کر دی**۔ اگر یہ کلام اسی ماحول کے کسی آدمی کا گھڑا ہوا ہوتا تو اس کے لیے آسان تر یہ تھا کہ لوگوں کے مانے ہوئے عقیدے کی موافقت کرتا اور اسے اپنے اقتدار کے لیے برتتا — جیسا کہ اس سے پہلے کاہن کرتے آئے تھے۔ مگر اس نے کہانت کی پوری تجارت جڑ سے ڈھا دی، حالانکہ وہ جزیرۂ عرب کے نفع بخش ترین پیشوں میں سے تھی۔

آگ کے بے دھویں شعلے سے

اس نے انسان کو ٹھیکری جیسی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا، اور جنّ کو آگ کے بے دھویں شعلے سے

سورہ الرحمٰن — آیات 14-15

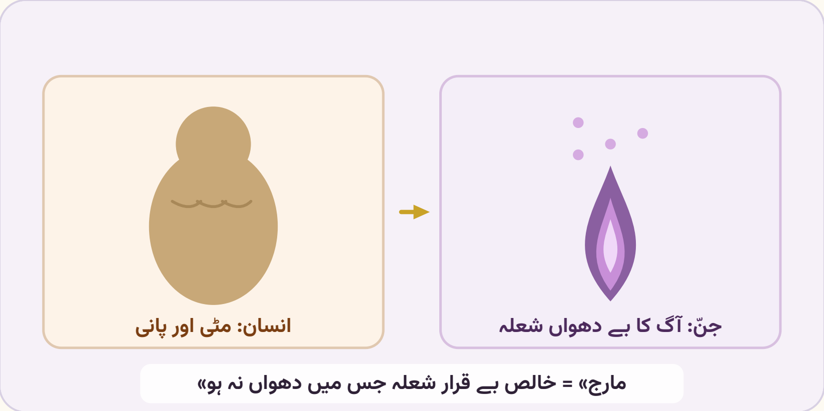

دو بالکل مختلف مادّے — اسی لیے ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پاتا

آسان لفظوں میں

ہم **مٹی** سے پیدا کیے گئے ہیں، اور جنّات **خالص، بے قرار آگ** سے جس میں دھواں نہیں۔ اور چونکہ مادّہ مختلف ہے، اس لیے آپ کی آنکھ انہیں نہیں پا سکتی — جبکہ وہ آپ کو دیکھتے ہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جنّات کے بارے میں لوگوں کے تصوّرات بے ضابطہ عوامی خیال آرائی تھے: بھوت، ارواح اور ڈراؤنی شکلیں۔ نہ ان کی تخلیق کے مادّے کی کوئی تعیین تھی اور نہ اس کی کوئی توجیہ کہ وہ نظر کیوں نہیں آتے۔ اور یہاں جو عربی لفظ برتا گیا ہے وہ نہایت باریک اور کم استعمال ہونے والا ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

عربی لغات میں «**مارِج**» وہ خالص، ملا جلا، بے قرار شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ یہ توانائی کی ایک خاص صورت کا بیان ہے، کسی کثیف مادّی جسم کا نہیں۔ اور آج سائنس یہ طے کرتی ہے کہ **انسانی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہ برقی مقناطیسی طیف کے ایک نہایت معمولی حصے سے آگے نہیں بڑھتا** (تقریباً 400-700 نینومیٹر)، اور یہ کہ کائنات کے مادّے اور توانائی کا تقریباً 95% «تاریک» ہے، جو نظر نہیں آتا اور صرف اپنے اثر سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے جہانوں کا وجود جن تک ہمارے حواس نہیں پہنچتے، آج کے سائنسی ذہن کے لیے کوئی عجیب بات نہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

قرآن نے نظر نہ آنے کی وجہ صراحت کے ساتھ بیان کی، اور وہ نہایت باریک ہے: «**وہ اور اس کا قبیلہ آپ کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے آپ انہیں نہیں دیکھتے**»۔ یعنی دیکھنا ایک ہی رخ میں ہے، دونوں طرف سے نہیں — اور یہ **خود ادراک کی نوعیت** میں فرق کا تقاضا کرتا ہے، محض چھپ جانے یا پردہ کر لینے کا نہیں۔ پھر تخلیق کے دونوں مادّوں کا فرق صلاحیتوں کے فرق کی وضاحت کرتا ہے: رفتار، نفوذ اور شکل کی تبدیلی۔ یہ ایک ایسی توجیہ ہے جو اوّل سے آخر تک **اندرونی طور پر ہم آہنگ** ہے، قوموں کے اساطیر کی طرح بکھری ہوئی تصویریں نہیں۔

جادو خود نبی ﷺ پر ہوا

رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا، یہاں تک کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ نہیں کیا … ایک کنگھی، بالوں کے ریزوں اور نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں، اور وہ ذَروان کے کنویں میں تھا

روایت بخاری و مسلم — متّفق علیہ

مدینہ کا کنواں ذَروان — وہ جگہ جہاں سے جادو نکالا گیا

آسان لفظوں میں

جادو ایک حقیقی چیز ہے جو اثر کرتی ہے، نہ خیال ہے نہ وہم۔ اور اس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ وہ **خود نبی ﷺ پر ہوا**، تو آپ کو خیال ہوتا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ نہیں کیا — یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اس کی جگہ بتا دی اور وہ نکال لیا گیا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جادو خطّے کی ہر تہذیب میں ایک معروف اور رائج پیشہ تھا: بابل، مصر، یمن اور جزیرۂ عرب۔ جادوگر مرتبے، مال اور اثر و رسوخ والا آدمی تھا۔ اور نبی ﷺ کے لیے یہ نہایت آسان تھا کہ جو آپ کو پیش آیا اسے چھپا لیتے — کیونکہ کسی داعی کی دعوت کے لیے اس سے زیادہ نقصان دہ کوئی بات نہیں کہ یہ کہا جائے کہ جادو نے اسے آ لیا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ حدیث **صحیح بخاری اور صحیح مسلم** میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، باریک تفصیلات کے ساتھ: جادوگر کا نام (لَبید بن اَعصم)، جادو کا مادّہ (کنگھی، بال اور کھجور کے خوشے کا چھلکا)، اس کی جگہ (ذَروان کا کنواں)، اس کے اثر کی کیفیت، اور وہ کیسے نکالا گیا۔ اور **اہلِ سنّت کا اجماع ہے کہ جادو کی ایک حقیقت اور ایک اثر ہے**، اور یہ کہ اس کا اثر وحی اور تبلیغ تک نہیں پہنچا — بلکہ صرف آپ کے ذاتی دنیوی معاملات تک۔ یہ ایک اہم قید ہے جسے علما نے صراحت سے بیان کیا، کیونکہ تبلیغ میں عصمت قائم ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہاں دلیل ایک نادر قسم کی ہے: **ایسی خبر جس کا ظاہر صاحبِ دعوت کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس کے باوجود وہ نقل بھی ہوئی اور محفوظ بھی رہی**۔ نبی ﷺ نے اسے چھپایا نہیں، صحابہ نے دبایا نہیں، اور محدّثین نے حذف نہیں کیا — بلکہ مسلمانوں کی دو صحیح ترین کتابوں نے اسے درج کیا۔ اور جو شخص کوئی دین گھڑتا ہے وہ اپنے بارے میں یہ روایت نہیں کرتا کہ ایک یہودی کے جادو نے اس پر اثر کیا۔ تاریخی تنقید کے ماہرین اسے «**شرمندگی کا معیار**» کہتے ہیں: وہ روایت جو اپنے راوی کو نقصان پہنچائے، اس سے زیادہ سچ کے قریب ہے جو اسے فائدہ دے۔ پھر اس واقعے کا ایک باقی رہ جانے والا ثمر بھی نکلا: **معوّذتین**، جو آج تک ہر مسلمان کے لیے ایک عملی علاج ہیں۔

معوّذتین... ہر مسلمان کا قلعہ

کہہ دیجیے: میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ... اور گِرھوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے، اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے

سورہ فلق – آیات 1-5

دو سورتیں جو انسان کو جادو اور حسد کے شر سے بچانے کے لیے اتریں

آسان لفظوں میں

جب جادو ہوا تو لوگوں کو بغیر علاج کے نہیں چھوڑا گیا۔ دو مختصر سورتیں اتریں – **الفلق اور الناس** – جن میں جادو، حسد اور شیطان کے وسوسے سے حفاظت ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

لوگوں کو جب جادو لگتا تو وہ کسی دوسرے جادوگر کے پاس جاتے کہ وہ اسے کھولے – یعنی وہ شر کا علاج اسی جیسے شر سے کرتے، اور یوں جادوگروں سے اور زیادہ وابستہ ہوتے اور اور زیادہ مال دیتے۔ یہی وہ چکر تھا جو کاہنوں اور جادوگروں کی روزی چلاتا تھا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

نبی ﷺ ہر رات سونے سے پہلے معوّذتین اپنے اوپر پڑھتے، اپنی ہتھیلیوں میں پھونکتے اور ان سے اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے، اور بیماروں پر بھی پڑھتے (بخاری و مسلم)۔ اور آپ نے عقبہ بن عامر کو **ہر نماز کے بعد** انہیں پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا: «پناہ مانگنے والوں نے ان جیسی کسی چیز سے پناہ نہیں مانگی»۔ اور صحیح حدیث میں ہے: «جو شخص بستر پر جاتے وقت آیت الکرسی پڑھ لے، اللہ کی طرف سے اس پر ایک نگہبان رہتا ہے اور صبح تک کوئی شیطان اس کے قریب نہیں آتا»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

غور کیجیے کہ اس علاج نے پورے سماجی ڈھانچے کے ساتھ کیا کیا۔ اس نے جادو سے حفاظت **براہِ راست ہر انسان کے اپنے ہاتھ میں** دے دی: چند مختصر کلمات جو بچّہ بھی یاد کر لیتا ہے، بغیر کسی واسطے کے، بغیر کسی اجرت کے، بغیر کسی رسم کے۔ اور اس طرح اس نے جادوگروں اور کاہنوں کا اقتدار اور ان کی تجارت جڑ سے ختم کر دی۔ یہ وہ کام نہیں جو لوگوں پر اقتدار چاہنے والا کرتا ہے – وہ تو اس کا الٹ کرتا ہے۔ اور سورت کی سب سے باریک بات: «**گِرہوں میں پھونکنے والیاں**» – یہ جادو کی سب سے معروف عملی صورت کا بیان ہے: گِرہ لگانا اور اس میں پھونکنا۔ اور بیہقی نے «دلائل النبوّہ» میں – ایک ضعیف سند سے جو قابلِ حجّت نہیں – گیارہ گِرہوں والی ایک تانت کا ذکر کیا ہے؛ مگر یہ صحیحین میں ثابت نہیں۔ ثابت ان میں یہ ہے: ایک کنگھی، بالوں کے ریزے، اور نر کھجور کے خوشے کا غلاف۔

بابل... اور تاریخ کی قدیم ترین جادو کی تختیاں

> اور وہ اس کے پیچھے لگ گئے جو شیاطین سلیمان کی سلطنت میں پڑھا کرتے تھے۔ اور سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، اور اس کے پیچھے جو بابل میں دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا
>
> **سورہ بقرہ — آیت 102**

منتر اور تعویذ — ہزار برس سے بھی زیادہ قبل مسیح کے

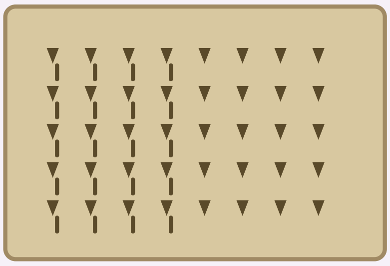

بابل کی مسماری مٹی کی تختیاں — عجائب گھروں میں محفوظ

جادو کے متون کے پورے کتب خانے عراق کی سرزمین سے برآمد ہوئے

آسان لفظوں میں

قرآن نے جادو کو ایک متعیّن جگہ سے جوڑا: **بابل**۔ اور ماہرینِ آثار نے اسی سرزمین سے **قدیم دنیا میں جادو کے متون کا سب سے بڑا ذخیرہ** نکالا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جب قرآن اترا تو بابل ایک مٹا ہوا کھنڈر تھا، صدیوں سے ویران۔ اور کوئی مِسماری خط پڑھ نہیں سکتا تھا — وہ بالکل مر چکا تھا۔ چنانچہ جادو کی تعلیم کو دنیا کے سب دارالحکومتوں میں سے **خاص بابل** کی طرف منسوب کرنا ایک ایسی جغرافیائی اور تاریخی تعیین ہے جسے جانچا جا سکتا ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

انیسویں صدی میں مِسماری خط کے رموز کھلے۔ تب یہ سامنے آیا کہ بین النہرین — جس کا دل بابل تھا — **قدیم دنیا میں جادو، منتر اور تعویذ کا سب سے بڑا مرکز** تھا۔ سب سے مشہور دریافتوں میں **«مَقلو»** (Maqlû) تختیوں کا سلسلہ ہے، جو جادو اور اس کے توڑ پر نو مکمل تختیاں ہیں، اور «شُرپو» (Šurpu)، اور منتروں، نجوم اور فال گیری کی ہزاروں تختیاں۔ اکیلے آشور بانیپال کے کتب خانے میں ان کی سینکڑوں تختیاں تھیں۔ اور مؤرّخین تسلیم کرتے ہیں کہ بابل ہی وہ سرچشمہ تھا جہاں سے یہ فنون پورے خطّے میں پھیلے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

جغرافیائی تعیین ہی دلیل کا اصل مقام ہے۔ قرآن نے صرف یہ نہیں کہا کہ «انہوں نے جادو سیکھا» — بلکہ اس **وطن کا نام لیا جہاں سے یہ نکلا**۔ اور بارہ صدیوں بعد ثابت ہوا کہ وہی وطن جادو کے متون کے اعتبار سے روئے زمین کا سب سے مالا مال آثاری مقام ہے۔ اس سے بھی باریک بات **سلیمان علیہ السلام کی براءت** ہے: «اور سلیمان نے کفر نہیں کیا»۔ خطّے میں گردش کرنے والی داستانیں — اور بعد کے یہودی متون — جادو کو سلیمان کی طرف منسوب کرتی اور انہیں جادوگروں کا سردار بناتی تھیں۔ سو قرآن آیا اور **ایک نبی کو اس الزام سے بری کیا جو خود اہلِ کتاب نے ان پر لگایا تھا** — اور یہ اس کے بالکل الٹ ہے جو ان سے نقل کرنے والا کرتا۔

ماخذ Reiner — *Šurpu* · Abusch — *The Magical Ceremony Maqlû*

فرعون کے جادوگر... اور دوڑتی ہوئی رسّیوں کا منظر

اس نے کہا: بلکہ تم ہی ڈالو۔ تو اچانک ان کی رسّیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے اسے ایسی لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں

سورہ طٰہٰ — آیت 66

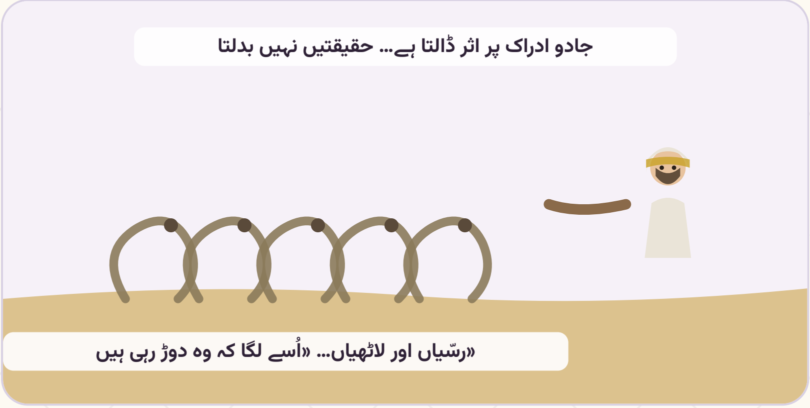

قرآن جادو کو آنکھ پر اثر بتاتا ہے، نئی تخلیق نہیں

آسان لفظوں میں

فرعون کے جادوگر رسّیاں اور لاٹھیاں لے کر آئے، تو وہ لوگوں کو **دوڑتے ہوئے سانپ** دکھائی دینے لگیں۔ اور باریک الفاظ پر غور کیجیے: «**اسے ایسا لگا**» — یعنی وہ بدلی نہیں تھیں، بلکہ دیکھنے والے کا ادراک متاثر ہوا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

قدیم مصر میں جادو اپنے عروج پر تھا، اس کے کاہن تھے، مدرسے تھے اور لکھے ہوئے متون تھے۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ جادوگر **چیزوں کو حقیقتاً بدل دیتا ہے**: لاٹھی کو سانپ اور انسان کو جانور بنا دیتا ہے۔ یہ عقیدہ زمین کی تقریباً ہر تہذیب میں غالب تھا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

قرآن نے اس تصوّر کو صراحتاً رد کیا اور جادو کے اثر کو تین دائروں میں محدود کر دیا: **ادراک اور حواس پر اثر** («اسے ایسا لگا»، «انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا»)، **نفوس اور رشتوں پر اثر** («وہ اس سے مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں»)، اور **بدن کو ایذا پہنچا کر اثر**۔ رہا **چیزوں کی حقیقت کو ہی بدل دینا**، تو اس کی سرے سے نفی ہے۔ اور یہ اس کے مطابق ہے جو آج نفسیات تلقین، ہپناٹزم اور اجتماعی فریبِ ادراک کے بارے میں طے کرتی ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

«**ادراک پر اثر**» اور «**حقیقت کے بدل جانے**» کے درمیان یہ فرق نہایت باریک ہے، اور اس زمانے کی ثقافت اسے نہیں جانتی تھی۔ یہی وہ چیز ہے جو جادو کے بارے میں اسلامی موقف کو اپنے گرد و پیش کی ہر چیز سے ممتاز کرتی ہے: نہ وہ ایسا مکمل انکار ہے جو مشاہدے کو جھٹلا دے، اور نہ یہ تسلیم کر لینا کہ جادوگر پیدا کرتا اور پلٹ دیتا ہے۔ اور خود موسیٰ علیہ السلام کے معجزے میں فرق دیکھیے: ان کی لاٹھی نے وہ سب **نگل لیا** جو انہوں نے بنایا تھا — یعنی حقیقتاً نگل لیا۔ سو قرآن میں معجزے اور جادو کا فرق یہ ہے: **پہلا حقیقت میں تبدیلی ہے، اور دوسرا آنکھ میں**۔ اور اسی لیے سب سے پہلے خود جادوگر ایمان لائے — کیونکہ وہ اپنے فن کی حدود کو سب سے بہتر جانتے تھے۔

وہ شیطان جو ابوہریرہ کے پاس تین راتیں آیا

اس نے کہا: مجھے چھوڑ دیجیے، میں آپ کو ایسے کلمات بتاتا ہوں جن سے اللہ آپ کو نفع دے گا … جب آپ اپنے بستر پر جائیں تو آیت الکرسی پڑھ لیجیے … نبی ﷺ نے فرمایا: اس نے آپ سے سچ کہا حالانکہ وہ بڑا جھوٹا ہے، وہ شیطان تھا

روایت بخاری — صحیح

رمضان کے صدقے کے گودام میں تین راتیں دہرایا جانے والا واقعہ

آسان لفظوں میں

نبی ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقے کے غلّے کی حفاظت پر مقرّر کیا۔ تو ایک شخص رات کو اس میں سے چوری کرنے آیا، اور انہوں نے اسے لگاتار تین راتیں پکڑا۔ آخری رات اس نے انہیں **آیت الکرسی** سکھائی اور کہا: اگر آپ اسے پڑھ لیں تو کوئی شیطان آپ کے قریب نہ آئے گا۔ پھر نبی ﷺ نے انہیں بتایا کہ وہ شیطان تھا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

رات کو غلّے کے گودام کی پہرہ داری ایک عام سی بات ہے۔ ابوہریرہ نے پہلی بار اسے کوئی مسکین آدمی سمجھا، اس پر رحم کیا اور چھوڑ دیا۔ پھر ایسا تین بار ہوا — اور ہر صبح وہ نبی ﷺ کو بتاتے، تو آپ ان سے فرماتے: «**وہ پھر آئے گا**» — اور وہ آ جاتا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ واقعہ **صحیح بخاری** میں پورا موجود ہے، کتاب فضائل القرآن میں «سورہ بقرہ کی فضیلت کے باب» کے تحت۔ اور اس میں تین اہم اشارے ہیں۔ پہلا یہ کہ نبی ﷺ **ہر صبح ابوہریرہ کو بتاتے تھے کہ وہ رات کو پھر آئے گا** — اور وہ آ جاتا۔ دوسرا یہ کہ آخری فیصلہ نہایت باریک الفاظ میں آیا: «**اس نے آپ سے سچ کہا حالانکہ وہ بڑا جھوٹا ہے**» — یعنی بات درست ہے اگرچہ کہنے والا فطرتاً جھوٹا ہے۔ تیسرا یہ کہ عملی نتیجہ **ہر مسلمان کے لیے ایک ہتھیار** نکلا: سوتے وقت آیت الکرسی۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اس واقعے میں سب سے اہم چیز وہ **منہج** ہے جو نبی ﷺ نے اس عالم کے ساتھ معاملہ کرنے میں سکھایا۔ آپ نے نہ واقعے کا انکار کیا اور نہ اسے ہولناک بنایا، بلکہ **بات کا فیصلہ خود بات پر کیا، کہنے والے پر نہیں**۔ اور یہ جملہ «اس نے سچ کہا حالانکہ وہ بڑا جھوٹا ہے» خبروں کی تنقید میں ایک مکمل قاعدہ ہے۔ پھر دیکھیے کہ نتیجہ **قرآن کی ایک آیت** نکلی جو ہر کوئی یاد کر لیتا ہے، نہ کوئی رسم، نہ تعویذ، نہ کوئی انسانی واسطہ۔ پورا واقعہ اسی پر ختم ہوتا ہے کہ عام آدمی خود اپنی حفاظت خود کر سکے — اور یہی وہ دھاگا ہے جو اس پورے باب کو جوڑتا ہے۔

ہر انسان کے ساتھ ایک قرین ہے

آپ میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے ساتھ جنّوں میں سے اس کا قرین مقرّر نہ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا: اور میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ مسلمان ہو گیا، سو وہ مجھے بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے

روایت مسلم – صحیح

اندرونی کشمکش کی ایسی وضاحت جو برے خیالات کو ان کی صحیح جگہ پر رکھ دیتی ہے

آسان لفظوں میں

ہر انسان کے ساتھ **جنّوں میں سے ایک قرین** ہوتا ہے جو اسے برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ یہی ان برے خیالات کی وضاحت ہے جو اچانک آپ کے دل میں آ جاتے ہیں، جو نہ آپ کو مطلوب ہیں نہ پسند۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

لوگ یا تو ہر خیال کو اپنی ہی طرف منسوب کرتے اور خود کو ملامت کرتے کرتے ڈوب جاتے، یا اپنے سارے اعمال کو بیرونی قوّتوں کی طرف منسوب کر کے ذمّہ داری ہی گرا دیتے۔ اور کوئی ایسی ضابطہ بند وضاحت موجود نہ تھی جو خیال اور فعل کے درمیان فرق کرے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

نبی ﷺ نے اس حقیقت کو بیان کیا، پھر **اسے نہایت اہم قیود کا پابند کیا**: یہ کہ قرین **وسوسہ ڈالتا ہے، مجبور نہیں کرتا**؛ یہ کہ انسان سے **محض خیال پر مواخذہ نہیں ہوتا جب تک وہ عمل نہ کرے** («اللہ نے میری امّت سے وہ معاف کر دیا جو ان کے دلوں میں آئے، جب تک وہ عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں»)؛ اور یہ کہ وسوسے کی شدّت **ایمان کی علامت ہے، فساد کی نہیں** — چنانچہ جب صحابہ نے وسوسے کی شکایت کی تو فرمایا: «**یہ تو خالص ایمان ہے**»، یعنی اس کا بڑا لگنا ہی آپ کے دلوں کی سلامتی کی دلیل ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اس تصوّر کے نفسیاتی اثر کو دیکھیے، اور آج بہت سے لوگوں کی حالت سے موازنہ کیجیے۔ جس شخص کے دل میں کوئی بھیانک خیال آتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کی اپنی اصل گہرائیوں سے نکلا ہے، وہ خود اپنے آپ سے دہشت زدہ ہو جاتا ہے — اور **مذہبی رنگ والے وسواسِ قہری** میں بالکل یہی ہوتا ہے۔ جبکہ یہ وضاحت **جو آپ پر ڈالا جاتا ہے** اور **جو آپ خود چنتے ہیں** کے درمیان فرق کر دیتی ہے، اور فیصلہ کرتی ہے کہ پہلی چیز پر آپ سے مواخذہ نہیں — بلکہ آپ کا اس سے بیزار ہونا ہی آپ کی سلامتی کی دلیل ہے۔ پھر عملی علاج دیتی ہے: پناہ مانگیے اور رک جائیے، اور بحث میں الجھتے نہ رہیے۔ اور یہ اس کے بہت قریب ہے جو جدید نفسیاتی علاج بے اختیار در آنے والے خیالات کے بارے میں تجویز کرتے ہیں: ان سے بحث کر کے مت لڑیے، اور اپنی پہچان انہی سے مت بنائیے۔

وہ ابنِ آدم میں خون کی طرح دوڑتا ہے

بے شک شیطان ابنِ آدم میں خون کی طرح دوڑتا ہے

روایت بخاری و مسلم — متّفق علیہ

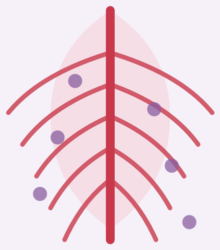

بدن میں کوئی زندہ بافت ایسی نہیں جو خون کے بغیر گزارا کر سکے

آسان لفظوں میں

نبی ﷺ نے انسان کے اندر شیطان کی رسائی کو **خون کے دوڑنے جیسا** بتایا — یعنی وہ آپ کے ہر حصّے تک پہنچتا ہے، کوئی عضو اس سے خالی نہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

دورانِ خون معلوم نہیں تھا۔ غالب گمان — اور یہ جالینوس کا مذہب تھا جس نے پندرہ سو سال تک طب پر حکومت کی — یہ تھا کہ خون جگر میں بنتا ہے اور اعضا میں خرچ ہو جاتا ہے، نہ یہ کہ وہ **ایک پورا چکّر لگاتا ہے** اور جسم کے ہر حصّے تک پہنچ کر لوٹ آتا ہے۔ یہ 1628 میں ولیم ہاروے کے ہاتھوں دریافت ہوا، اور 1661 میں باریک شعیرات کی دریافت سے مکمل ہوا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

نظامِ دوران **جسم کی ہر زندہ بافت** کو خون کی شعیرات کے ایک ایسے جال کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے جس کی لمبائی نو ہزار سے انیس ہزار کلومیٹر کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ اور جہاں رگیں نہیں پہنچتیں — جیسے آنکھ کی قرنیہ اور جوڑوں کی غضروف — وہ خون سے رِس کر پہنچنے والی رطوبت پر جیتی ہیں۔ سو بدن میں کوئی چیز اس سے بے نیاز نہیں۔ چنانچہ مکمل اور ہمہ گیر نفوذ کے لیے «خون کے دوڑنے» کو تشبیہ بنانا **پورے جسم میں ممکنہ باریک ترین تشبیہ** ہے — اور اس کی باریکی کا رخ دورانِ خون جانے بغیر سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ تشبیہ یونہی نہیں چنی گئی۔ اگر محض قرب مقصود ہوتا تو کہا جاتا «سائے کی طرح» یا «سانس کی طرح» — اور یہ دونوں اس زمانے کے تصوّرات سے زیادہ قریب تھیں۔ مگر مراد **ہمہ گیری اور ہر ہر حصّے تک نفوذ** تھی، اور جسم میں یہ خاصیّت صرف خون ہی میں پائی جاتی ہے — ایک ایسی خاصیّت جو دس صدیوں بعد تک معلوم نہ ہو سکی۔ اور وہ عملی سبق دیکھیے جو نبی ﷺ نے اس پر قائم کیا: آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب رات کو صفیّہ رضی اللہ عنہا کو مسجد سے لے کر نکل رہے تھے؛ دو آدمی گزرے تو تیز چل دیے، آپ نے انہیں روکا اور فرمایا: «ٹھہریے، یہ صفیّہ بنت حُیَیّ ہیں»۔ یعنی آپ نے اس قاعدے کو **بدگمانی کو پہلے ہی اپنے سے دور کرنے** کا سبب بنایا — یہ سبق شفّافیت کا ہے، ڈرانے کا نہیں۔

مآخذ Harvey — *De Motu Cordis*, 1628 · Malpighi — the capillaries, 1661

نظر حق ہے... اور ایک واقعہ جو صحابہ کے سامنے پیش آیا

نظر حق ہے، اور اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر آگے بڑھ جاتی۔ اور جب آپ سے غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کر لیجیے

روایت مسلم — صحیح

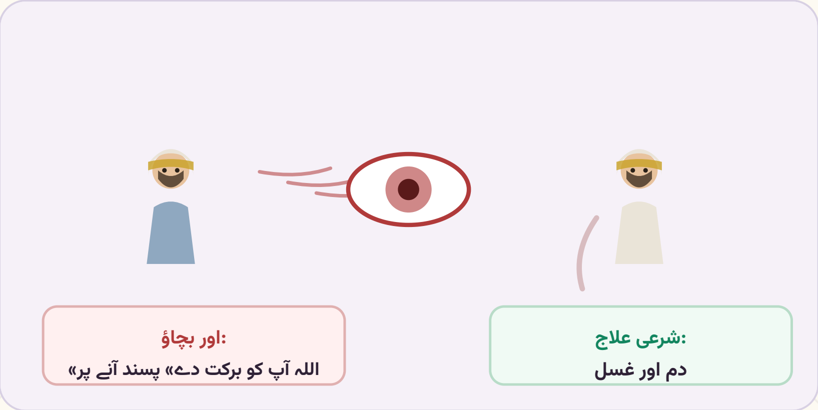

سہل بن حُنَیف اور عامر بن ربیعہ کا واقعہ — روایت مالک، احمد اور نسائی

آسان لفظوں میں

«نظر حق ہے» — یعنی تعریف یا حسد کی نگاہ واقعی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اور معاملہ بغیر علاج کے نہیں چھوڑا گیا: **دم اور غسل**، اور بچاؤ یہ کہ جسے کوئی چیز اچھی لگے وہ اس کے لیے برکت کی دعا کرے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

نظر کا خوف عربوں میں بھی تھا اور دوسروں میں بھی، اور وہ اس سے بچنے کے لیے تعویذ، منکے، گنڈے، ہڈّیاں اور جانوروں کی آنکھیں لٹکاتے تھے۔ یعنی وہ ایک عقیدے کا مقابلہ ایک دوسری خرافات سے کرتے تھے، اور اس کی قیمت بھی چکاتے تھے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

مشہور واقعہ امام مالک نے موطّا میں اور احمد و نسائی نے روایت کیا ہے: **سہل بن حُنَیف** نے غسل کیا تو **عامر بن ربیعہ** نے انہیں دیکھا اور کہا: «میں نے آج جیسا کبھی نہیں دیکھا، اور نہ کسی پردہ نشین کی ایسی کھال» — سہل اسی وقت گر پڑے اور بیمار ہو گئے۔ نبی ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: «**آپ میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ برکت کی دعا کیوں نہ کی؟**»، پھر عامر کو حکم دیا کہ وضو کریں اور وہ پانی سہل پر ڈالا جائے — تو سہل تندرست اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہ **سفر میں صحابہ کی ایک جماعت کے سامنے** پیش آیا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اس واقعے میں تین باتیں ٹھہر کر سوچنے کے لائق ہیں۔ پہلی: کہ **نظر لگانے والا کوئی حسد کرنے والا دشمن نہ تھا**، بلکہ محبّت کرنے والا، تعریف کرنے والا تھا — اور یہ اس عام تصوّر کو توڑ دیتا ہے کہ نظر صرف دشمن ہی سے لگتی ہے۔ دوسری: کہ علاج **لگانے والے کی طرف سے تھا، جس کو لگی اس کی طرف سے نہیں** — نظر لگانے والا غسل کرتا ہے اور پانی متاثرہ پر ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ ان تمام رسموں کے الٹ ہے جو تعویذ متاثرہ پر باندھتی تھیں۔ تیسری — اور یہی سب سے اہم ہے —: کہ نبی ﷺ نے **تعویذوں کو قطعی طور پر حرام کیا** («جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا») اور اس کے بدلے ایک سادہ، مفت، عملی علاج دیا۔ سو انہوں نے ایک ہی وقت میں اس ظاہرے کو ثابت بھی کیا اور اس سے جڑی خرافات کو باطل بھی کر دیا — اور یہی اس پورے باب کا انداز ہے۔

سلیمان علیہ السلام اور تابع کیے گئے جن

اور شیطانوں میں سے کچھ ایسے تھے جو اُن کے لیے غوطے لگاتے اور اس کے علاوہ بھی کام کرتے تھے، اور ہم ہی اُن کے نگہبان تھے

سورہ انبیا — آیت 82

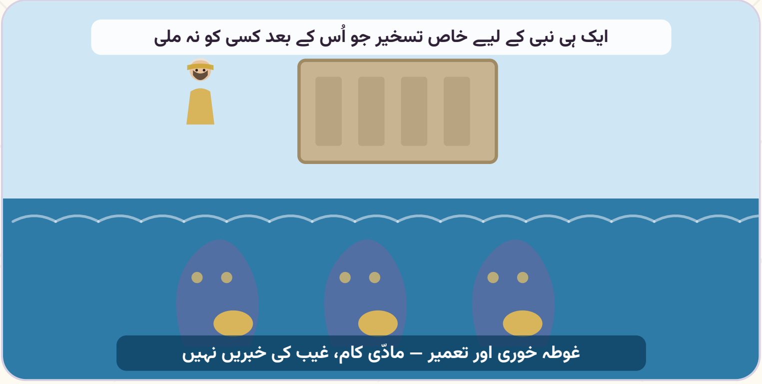

متعین اور محدود کام: غوطہ خوری، موتی نکالنا اور تعمیر

آسان لفظوں میں

اللہ نے سلیمان علیہ السلام کے تابع جنوں کی ایک جماعت کر دی جو اُن کے لیے کام کرتی تھی: **سمندر میں غوطے لگاتے اور عمارتیں بناتے تھے**۔ یہ معجزہ انہی کے ساتھ خاص تھا؛ اُنھوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ اُن کے بعد کسی کو نہ ملے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اُس خطے کی رائج کہانیاں سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو اور ایسے کلمات و طلسمات سے روحوں پر قابو پانے کی نسبت کرتی تھیں جو جادوگر نسل در نسل منتقل کرتے رہے۔ اس بارے میں اُن کی طرف منسوب کتابیں لوگوں میں گردش کرتی تھیں — سب گھڑی ہوئی اور جھوٹی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

قرآن نے اس مسئلے کو سخت قیود کے ساتھ متعین کیا۔ اوّل یہ کہ تسخیر **صرف اللہ کے اذن سے** تھی، کسی جادوئی علم سے نہیں: «اور جنوں میں سے کچھ **اپنے رب کے اذن سے** اُن کے سامنے کام کرتے تھے»۔ دوم یہ کہ کام **مادی اور محدود** تھے: غوطہ خوری، تعمیر اور نقل و حمل — نہ علمِ غیب، نہ تقدیر میں تصرف۔ سوم، اور یہ سب سے صریح ہے، کہ قرآن نے اسی قصے کے اندر **جنوں کے غیب سے ناواقف ہونے** کو صاف بیان کیا: سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی وہ کام کرتے رہے جبکہ وہ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور اُنہیں معلوم تک نہ ہوا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، «پھر جب وہ گرے تو جنوں پر کھل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ پڑے رہتے»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اس عجیب تضاد کو دیکھیے: جو قصہ جنوں کو تابع کرنے کا سب سے بڑا اشتہار بن سکتا تھا، اُسی کو **غیب کا علم نہ رکھنے پر اُن کے عجز کی قطعی دلیل** بنا دیا گیا۔ جو جن غوطے لگاتے اور عمارتیں بناتے تھے، وہ اپنے سامنے کھڑے آدمی کی موت تک نہ جان سکے! اگر یہ متن کسی انسان کا ہوتا، اُس ماحول میں جو کہانت کو بڑا مانتا تھا، تو وہ اپنی ہی بنائی ہوئی کہانی کو اُسی آیت میں اپنے ہاتھ سے نہ ڈھاتا۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: «**اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو**» — تو ہر اُس شخص کے سامنے دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا جو اُن کے بعد جنوں کو تابع کرنے کا دعویٰ کرے۔ جس قصے سے جادوگر دلیل پکڑتے ہیں، حقیقت میں وہی اُن کے دعوے کو سب سے زیادہ توڑتا ہے۔

بعثت کے بعد کہانت کیوں بند ہو گئی؟

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اُسے سخت پہرے داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا ۝ اور یہ کہ ہم اُس کے ٹھکانوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے، مگر اب جو سننا چاہے وہ اپنے لیے ایک شعلہ گھات میں پائے گا

سورہ جن — آیات 8-9

ایک نمایاں سماجی واقعہ: بعثت کے آغاز پر کہانت کا زوال

آسان لفظوں میں

کاہن ایسی باتیں بتاتے تھے جو کبھی کبھی سچ نکل آتی تھیں، کیونکہ شیاطین آسمان کی خبر میں سے کچھ سن لیتے اور اُن تک پہنچا دیتے تھے۔ پھر جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے تو **اُنہیں اس سے روک دیا گیا**، اُن کا سرچشمہ کٹ گیا اور اُن کا پیشہ ختم ہو گیا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جزیرۂ عرب میں کہانت ایک مکمل سماجی ادارہ تھی: کاہن کو مرتبہ، مال اور اثر حاصل تھا، جھگڑوں میں اُس سے فیصلہ کرایا جاتا اور پوشیدہ باتوں کے بارے میں اُس سے پوچھا جاتا۔ سب سے مشہور ناموں میں سَطیح، شِق اور سَواد ہیں۔ اور کبھی کبھار اُن کی بات کا سچ نکل آنا ہی اُن کا مرتبہ قائم رکھتا تھا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

تاریخی مآخذ اور سیرت کی کتابیں بتاتی ہیں کہ نبی ﷺ کی بعثت کے وقت خود کاہنوں نے **اپنے اوپر سے خبر کے کٹ جانے کی شکایت کی**، اور اُن میں سے بہتوں نے اپنی قوم کو یہ بات بتائی — بلکہ یہی بعض کے اسلام لانے کے اسباب میں سے تھا۔ اور تاریخی طور پر یہ قابلِ مشاہدہ ہے کہ اسلام کے بعد **پرانے مفہوم والی کہانت جزیرۂ عرب سے تقریباً پوری طرح مٹ گئی**، حالانکہ وہ سماجی زندگی کے ستونوں میں سے ایک تھی۔ اور صحیحین میں اس کا طریقہ بیان ہوا ہے: «پھر وہ اُسے اپنے نیچے والے کی طرف ڈالتا ہے... پھر وہ اُس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

نبی ﷺ صرف ممانعت پر نہیں رکے، بلکہ اُنہوں نے **اس ظاہرے کا راز ایسے کھولا کہ وہ اندر ہی سے ٹوٹ گئی**۔ آپ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: «وہ کچھ بھی نہیں»۔ لوگوں نے کہا: وہ کبھی کبھی ہمیں ایسی بات بتاتے ہیں جو سچ نکلتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «**یہ سچی بات ہوتی ہے جسے جن اُچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے، پھر وہ اُس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں**»۔ یہ اُس چیز کی نہایت باریک تفسیر ہے جسے آج نفسیات میں **«تصدیقی تعصب»** کہا جاتا ہے: لوگ ایک بار کے صحیح نکلنے کو یاد رکھتے ہیں اور سو بار کی ناکامی بھول جاتے ہیں۔ تو آپ نے کہانت کو محض خشک انکار سے نہیں، بلکہ اُس شماریاتی طریقے کو بے نقاب کر کے باطل کیا جس پر وہ کھڑی تھی — اور یہی وہ دلیل ہے جو آج سائنس نجوم اور قسمت کا حال بتانے کے خلاف استعمال کرتی ہے۔

اے ساریہ... پہاڑ!

عمر نے منبر پر ہوتے ہوئے پکارا: اے ساریہ، پہاڑ! ... پھر قاصد نے کہا: ہم نے عمر کی آواز سنی تو ہم نے اپنی پیٹھیں پہاڑ کی طرف کر لیں، پس اللہ نے ہمیں فتح عطا فرمائی

بیہقی، ابنِ عساکر اور دیگر نے روایت کیا — ایک جماعت نے حسن کہا

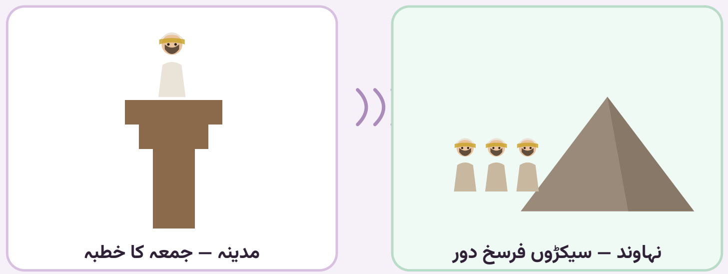

آواز پہنچ گئی... اور لشکر نے لوٹ کر تصدیق کی

ایک کرامت جسے تابعین نے روایت کیا اور اہلِ علم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا

آسان لفظوں میں

عمر بن الخطاب مدینہ میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک پکار اٹھے: **«اے ساریہ... پہاڑ!»** اور ساریہ سیکڑوں میل دور ایک لشکر کے سالار تھے۔ جب لشکر لوٹا تو اُنھوں نے کہا: ہم نے عمر کی آواز سنی، تو ہم پہاڑ کی پناہ میں چلے گئے اور فتح پائی۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

مدینہ اور میدانِ جنگ کے درمیان اونٹوں پر قاصدوں کے سوا رابطے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اور اُس میں ہفتے لگتے تھے۔ خطبہ مدینہ کے تمام لوگوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ لوگوں نے یہ پکار سنی، عجیب سمجھی، اور اُس وقت اس کا مطلب نہ سمجھ سکے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ خبر بیہقی نے «دلائلُ النبوّہ» میں، ابنِ عساکر نے «تاریخِ دمشق» میں، ابو نُعیم، ابنُ الاثیر اور دیگر نے کئی سندوں سے روایت کی ہے۔ اہلِ علم کی ایک جماعت نے مجموعِ طرق کی بنا پر اسے حسن کہا، اور ابنِ حجر، ابنِ کثیر اور ابنِ تیمیہ نے اس کا ذکر کیا۔ یہ منقول **کراماتِ صحابہ** میں سب سے مشہور ہے۔ اور اس کی مثالیں ثابت ہیں: **علاء بن الحضرمی** اور اُن کا لشکر پانی پر چل کر خلیج عبور کر کے دارِین پہنچے؛ **خالد بن الولید** نے زہر پیا اور اُس نے اُنھیں نقصان نہ پہنچایا؛ اور **سعد بن ابی وقّاص** نبی ﷺ کی دعا سے مستجاب الدعوات تھے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

معجزے اور کرامت کا فرق اس باب کی ایک اہم بنیاد ہے۔ معجزہ نبی کے ہاتھ پر چیلنج کے طور پر اور نبوت کے ثبوت کے لیے ظاہر ہوتا ہے، اور کرامت نیک بندے سے **بغیر کسی چیلنج اور بغیر کسی دعوے کے** صادر ہوتی ہے۔ اسی لیے کرامت نہ مانگی جاتی ہے نہ اس پر فخر کیا جاتا ہے، اور نہ اس کے صاحب کے لیے جائز ہے کہ اس پر کوئی دعویٰ کھڑا کرے۔ اور جو اسے طلب کرے اور اس سے کمائی کرے، وہ لوگوں میں اس سے سب سے زیادہ دور ہے۔ یہی وہ ضابطہ ہے جو اسلام کو اُس ہر چیز سے الگ کرتا ہے جو آج «روحانی توانائی»، «فتح» اور «کشف» کے نام پر بیچی اور خریدی جاتی ہے۔ اور عمر سے اُن کی پکار کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنھوں نے منہ پھیر لیا اور کوئی وضاحت نہ کی — اہلِ کرامت کا اپنی کرامت کے ساتھ یہی رویہ ہوتا ہے۔

ہر بیماری آسیب نہیں — لازمی فرق

اللہ کے بندو، علاج کرو، کیونکہ اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں رکھی جس کے لیے دوا نہ رکھی ہو، سوائے ایک بیماری کے: بڑھاپا

ابو داود اور ترمذی نے روایت کیا — صحیح

پھر شرعی دم	پہلے: ڈاکٹر کے پاس جائیں
قرآن کی تلاوت، بلا گراں اجرت •	عضوی مرگی •
نہ رسوم نہ لوبان •	وٹامن کی کمی •
نام اور ماں کا نام پوچھے بغیر •	غذے کی خرابی •
عورت سے خلوت کے بغیر •	معلوم نفسیاتی امراض •
اور مریض خود کو دم کرے •	کم خوابی اور تھکن •

جو ان ضوابط کو توڑے وہ شعبدہ باز ہے، دم کرنے والا نہیں

صحیح ترتیب: پہلے طب، پھر اپنی حدود کے ساتھ دم

آسان لفظوں میں

اسلام نے آسیب اور جادو کو ثابت کیا، **لیکن ہر بیماری کو اِن دونوں میں سے نہیں ٹھہرایا**۔ بلکہ پہلے علاج کا حکم دیا، اور دم کو ایسا قرآن بنایا جسے مریض بغیر کسی واسطے، بغیر اجرت اور بغیر رسومات کے خود اپنے اوپر پڑھے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اسلام سے پہلے قومیں اکثر بیماریوں کو روحوں اور شیاطین کی طرف لوٹاتی تھیں، تو مریض کا علاج رسومات، جنوں کے لیے ذبح اور تعویذوں سے کیا جاتا۔ یہ سلسلہ یورپ میں صدیوں چلتا رہا، یہاں تک کہ سترہویں صدی میں جادو کے الزام میں عورتیں جلائی گئیں۔ اور ذہنی مریضوں کے ساتھ آسیب زدہ جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

نبی ﷺ نے صاف صاف علاج کا حکم دیا اور فرمایا: «**ہر بیماری کی ایک دوا ہے**»، اور آپ نے شہد، پچھنے اور کلونجی استعمال کی، اور اپنے صحابہ کے لیے متعین دوائیں تجویز کیں۔ آپ نے فرمایا: «شفا تین چیزوں میں ہے: شہد کا گھونٹ، پچھنا لگانے والے کا نشتر، اور آگ سے داغنا»۔ اور آپ نے اُبی بن کعب کے پاس ایک **طبیب** بھیجا جس نے اُن کا علاج کیا، اُن کی ایک رگ کاٹی پھر اُسے داغا (مسلم)۔ رہا دم، تو علما کے نزدیک اس کی تین شرطیں ہیں: وہ اللہ کے کلام یا اُس کے ناموں سے ہو، عربی زبان میں ہو یا کسی اور زبان میں جس کا معنیٰ معلوم ہو، اور یہ اعتقاد ہو کہ وہ ایک سبب ہے، بذاتِ خود مؤثر نہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہی ضابطہ لوگوں کو دو بڑے نقصانوں سے بچاتا ہے۔ پہلا: **کسی جسمانی بیماری کا طبی علاج چھوڑ دینا** یہ سمجھ کر کہ وہ آسیب ہے — اور اس نے بہتوں کو مار ڈالا ہے۔ دوسرا: **شعبدہ بازوں کے ہاتھ چڑھ جانا** جو خوف سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مال و آبرو لوٹتے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس باب میں بہت سختی فرمائی: «**جو کسی عرّاف کے پاس آیا اور اُس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا، اُس کی چالیس رات کی نماز قبول نہیں ہوگی**»، اور «**جو کسی کاہن کے پاس آیا اور اُس کی بات کی تصدیق کی، اُس نے اُس چیز کا انکار کیا جو محمد پر اتاری گئی**»۔ تو جو دروازہ حقیقت ثابت کرنے کے لیے کھولا گیا تھا، **اُسے استحصال کے سامنے مضبوطی سے بند کر دیا گیا**۔ اور جو دم کرنے والا آپ سے آپ کا نام اور آپ کی ماں کا نام پوچھے، یا ذبیحہ، آپ کی کوئی چیز یا بہت سا مال مانگے — وہی وہ شعبدہ باز ہے جس سے نبی ﷺ نے خاص طور پر خبردار کیا۔

ماخذ American Psychiatric Association — *DSM-5*

ہر قوم اس عالم کو جانتی رہی ہے

اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا: اے گروہِ جن! تم نے انسانوں میں سے بہتوں کو اپنا بنا لیا۔ اور انسانوں میں سے اُن کے ساتھی کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا

سورہ انعام — آیت 128

کسی نادیدہ باشعور عالم کا عقیدہ ہر معلوم تہذیب میں موجود ہے

آسان لفظوں میں

تاریخ کی ہر قوم — بابل، مصر، یونان، ہند، چین اور افریقہ و امریکہ کے لوگ — **باشعور نادیدہ مخلوقات** کے وجود کو جانتی رہی ہے، اور اُن کے مختلف نام رکھے ہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

یہ قومیں ایک دوسرے سے دور اور ناواقف تھیں، نہ کوئی مشترک زبان تھی نہ تجارت۔ پھر بھی اُن کے تصورات حیرت انگیز حد تک ملتے جلتے تھے: باشعور مخلوقات، جو کھنڈروں اور ویرانوں میں بستی ہیں، نقصان بھی پہنچاتی ہیں اور نفع بھی، قربانیوں سے راضی کی جاتی ہیں، اُن میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

ماہرینِ بشریات اسے **«ثقافتی عمومیت»** (Cultural Universal) کہتے ہیں: ایسا ظاہرہ جو بلا استثنا ہر معلوم معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ باشعور روحانی مخلوقات کا عقیدہ اس کی واضح ترین مثالوں میں سے ہے، اور جارج مرڈوک نے اسے ثقافتی عمومیات کی اپنی مشہور فہرست میں درج کیا ہے۔ اور اُن کے نام: بابل میں «شیدو»، مصر میں «اخو»، یونان میں «ڈائمون»، ہند میں «بھوت»، اور عربوں کے ہاں «جن»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ یہاں بذاتِ خود کوئی قطعی دلیل بنا کر پیش نہیں کیا جا رہا — محض اتفاق اکیلا صحت ثابت نہیں کرتا۔ لیکن یہ **اُس تعبیر کو توڑ دیتا ہے جو کہی جاتی ہے:** کہ جن ایک عربی توہم ہیں جسے قرآن نے اپنے ماحول سے نقل کر لیا۔ یہ ظاہرہ عربوں سے ہزاروں سال پرانا ہے اور اُن سے پورے براعظموں تک وسیع ہے۔ اور اس سے زیادہ باریک بات یہ ہے کہ قرآن نے **رائج تصور کو نقل نہیں کیا بلکہ اُس کی تصحیح کی:** تمام قومیں اُن کی پوجا کرتی اور اُن کے لیے قربانیاں پیش کرتی تھیں، تو قرآن نے یہ حرام کیا اور اِسے شرک کہا؛ وہ اُن کی طرف علمِ غیب کی نسبت کرتی تھیں، تو قرآن نے اِس کی قطعی نفی کی؛ وہ اُنہیں نیم خدا بناتی تھیں، تو قرآن نے اُنہیں **ایک مکلف مخلوق بنایا جس کا حساب ہوگا جیسے ہمارا ہوگا۔** تو اصلِ وجود میں اتفاق، اور حکم میں پورا اختلاف — اور یہ مصحح کا شیوہ ہے، ناقل کا نہیں۔

مآخذ Murdock (1945) — the common denominator of cultures · Donald E. Brown — *Human Universals*, 1991

143

پانچ باتیں جنہیں صرف اللہ جانتا ہے

بےشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور وہی بارش اتارتا ہے، اور جانتا ہے جو ماؤں کے پیٹ میں ہے۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کمائے گی، اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی

سورہ لقمان — آیت 34

غیب کا دروازہ بند — دعویٰ پہلے ہی مردود

موت کی سرزمین | کل کی کمائی | جو رحموں میں ہے | بارش کا نزول | قیامت کا وقت

جو اِن میں سے کسی ایک کے علم کا دعویٰ کرے، قرآن کی نص سے جھوٹا ہے
اور نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے، نہ ولی، نہ جن

ایک قطعی حد جو ہر دعویدار کا راستہ کاٹ دیتی ہے

آسان لفظوں میں

اس باب میں جو کچھ گزرا، اُس کے بعد قرآن دروازہ مضبوطی سے بند کر دیتا ہے: **پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا**۔ تو جس نے اِن میں سے کسی کا علم ہونے کا دعویٰ کیا — وہ جو بھی ہو — وہ جھوٹا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

کہانت، عرافت، نجوم اور قسمت کا حال بتانا ہر تہذیب میں چلتے ہوئے پیشے تھے۔ کاہن سے غیب کے بارے میں پوچھا جاتا اور وہ جواب دیتا، اور کبھی اُس کی بات ٹھیک نکل آتی تو اُس کا مرتبہ بڑھ جاتا۔ اور یہ روزی اور اثر و رسوخ کے بڑے دروازے تھے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ پانچ اسی آیت میں مذکور ہیں، اور نبی ﷺ نے اِنہیں ابنِ عمر کی حدیث میں «**غیب کی پانچ کنجیاں**» کہا (بخاری)، اور جبریل والی حدیث میں اپنے اس قول پر یہی آیت تلاوت فرمائی: «پانچ چیزوں میں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا»۔ اور دیکھیے کہ یہ کوئی مبہم اور دھندلی باتیں نہیں، بلکہ **جانچی جا سکتی ہیں**: تاریخ میں کوئی قیامت کا دن متعین نہ کر سکا، نہ یقین کے ساتھ بارش برسنے کا فیصلہ کر سکا (اور موسمیات احتمال دیتی ہے، یقین نہیں)، اور نہ ہی کوئی رحم میں جو کچھ ہے اُسے **پوری طرح** جان سکا — اُس کا انجام، رزق، عمر اور عمل۔ رہا الٹراساؤنڈ سے جنس معلوم کرنا، تو وہ بننے کے بعد جو ظاہر ہوا اُسے دیکھنا ہے، اُس سے پہلے غیب کا علم نہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ حد اِس پورے باب کا **حفاظتی والو** ہے۔ کیونکہ جو کچھ گزرا — جن، جادو، نظر اور کرامات کا اثبات — وہ دجل اور استحصال کے لیے ایک وسیع دروازہ کھول سکتا تھا۔ تو یہ آیت پہلے ہی ہر دعویدار کا راستہ کاٹنے کے لیے آئی: **جو آپ کو آپ کے کل کی خبر دے، وہ جھوٹا ہے**، چاہے باقی باتوں میں کتنا ہی سچا دکھائی دے۔ اور خود نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بارے میں یہ اعلان کریں: «**کہہ دیجیے: میں اپنے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا، مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائی سمیٹ لیتا**»۔ تو جو یہ دین لے کر آیا، اُس نے **سب سے پہلے اپنے آپ سے** اُس چیز کی نفی کی جس کا دعویٰ اُس کے زمانے کے کاہن کرتے تھے۔ اقتدار کا طالب کوئی دعویدار ایسا نہیں کرتا۔

آپ کا روزانہ کا قلعہ... ایسے کلمات جو مفت ہیں

جو شخص شام کے وقت یہ کہے: میں اللہ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں اُس کے شر سے جو اُس نے پیدا کیا — تو اُس رات اُسے کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی

مسلم نے روایت کیا — صحیح

4	3	2	1
بسم اللہ	صبح کے اذکار	معوّذات	آیت الکرسی
داخل ہوتے وقت	اور شام	صبح تین بار	سوتے وقت
«تمہارا بسیرا نہیں»	«اسے کچھ نقصان نہ ہوا»	جیسی کسی چیز سے پناہ نہیں مانگی»	صبح تک محافظ

نہ واسطہ، نہ اجرت، نہ رسوم — اور ہر ایک کی پہنچ میں

صحیح میں ثابت چار اذکار جو باقی سب سے بے نیاز کر دیتے ہیں

آسان لفظوں میں

انسان کو اس عالم کے سامنے بے ہتھیار نہیں چھوڑا گیا۔ نبی ﷺ نے اُسے **ایسے مختصر اذکار دیے جو بچہ بھی یاد کر لے**، جنہیں وہ خود بغیر کسی واسطے، بغیر مال اور بغیر رسومات کے پڑھتا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جنوں اور حسد سے بچاؤ کے لیے ایک **واسطہ** ضروری سمجھا جاتا تھا: کوئی کاہن، جادوگر یا تعویذ بنانے والا۔ لوگ اس کے لیے مال اور ذبیحے دیتے، اور ایسی چیزوں سے لپٹے رہتے جو وہ اپنے بچوں اور جانوروں کے گلے میں لٹکاتے۔ یہ ایسا نظام تھا جو محتاجی اور خوف پیدا کرتا اور اپنے چلانے والوں کو نفع پہنچاتا تھا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

صحیح میں ثابت اذکار بہت ہیں، اور سب سے مشہور یہ ہیں: سوتے وقت **آیتُ الکرسی** — «اللہ کی طرف سے آپ پر ایک نگہبان رہے گا اور کوئی شیطان آپ کے قریب نہ آئے گا»؛ صبح و شام تین بار **معوذتین اور سورہ اخلاص** — «یہ آپ کو ہر چیز سے کافی ہو جائیں گی»؛ **«اعوذ بکلمات اللہ التامّات من شرّ ما خلق»** — «اُس رات اُسے کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی»؛ **گھر میں داخل ہوتے اور کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا** — «تمہارے لیے نہ رات بسر کرنے کی جگہ ہے نہ کھانا»؛ اور گھر میں **سورہ بقرہ** کی تلاوت — «اُس میں شیطان داخل نہیں ہوتا»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اُس ڈھانچے کو دیکھیے جو اس دین نے کھڑا کیا، اور اِس کا موازنہ اُس سے کیجیے جو پہلے تھا۔ اس نے حفاظت کو **واسطے کی اجارہ داری** سے نکال کر **ہر فرد کی ملکیت** بنا دیا۔ تو مسلمان کو نہ کسی دم کرنے والے کی ضرورت ہے، نہ کاہن کی، نہ تعویذ کی، نہ اجرت کی — کچھ کلمات ہیں جو وہ یاد کرتا اور خود پڑھتا ہے، اور وہ غریب کی پہنچ میں اُسی طرح ہیں جیسے امیر کی۔ یہ شعبدہ بازی کی معیشت کو جڑ سے ڈھا دیتا ہے، اور اُس کی جگہ کوئی متبادل اقتدار کھڑا نہیں کرتا۔ پھر دیکھیے کہ یہ سب اذکار **اللہ کی پناہ ہیں، نہ جنوں کی نہ ناموں کی** — تو یہ عین اُسی وقت توحید سکھاتے ہیں جس وقت حفاظت کرتے ہیں۔ اور یہی شرعی دم اور باقی ہر چیز کے درمیان بنیادی فرق ہے۔

اس باب میں میزان

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ پکڑتے تھے، تو اُنہوں نے اُن کی سرکشی اور بڑھا دی

سورہ جن — آیت 6

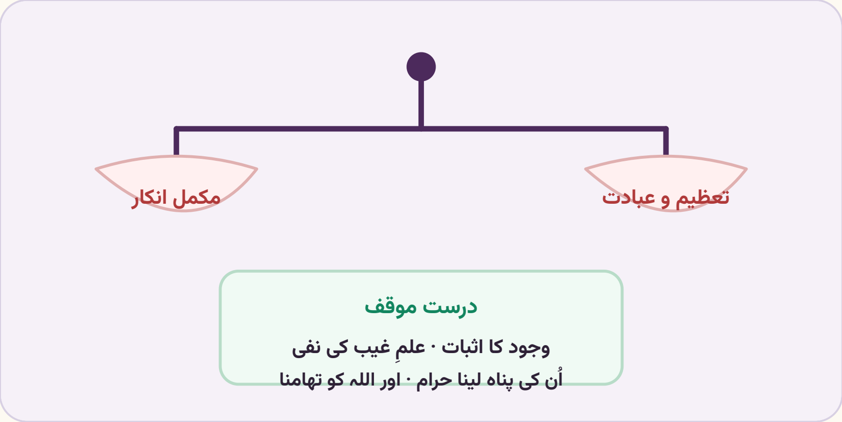

ایک طرف وہ انکار جو وحی کو جھٹلاتا ہے، دوسری طرف وہ تعظیم جو شرک تک لے جاتی ہے

آسان لفظوں میں

غیب کا عالم ایک حقیقت ہے، لیکن اُس کے ساتھ معاملہ کرنے کا ایک **باریک میزان** ہے: نہ ہم اُس کا انکار کریں کہ اللہ نے جو خبر دی اُسے جھٹلا بیٹھیں، اور نہ اُس کی اتنی تعظیم کریں کہ شرک، خوف اور دجل میں جا پڑیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

پرانے زمانے کے لوگ ایک انتہا میں پڑ گئے: تعظیم، پناہ پکڑنا، قربانیاں اور کہانت۔ اور آج بہت سے لوگ دوسری انتہا میں پڑے ہیں: ہر اُس چیز کا انکار جو آنکھ نہیں دیکھتی۔ اور دونوں انتہائیں غلط ہیں۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

قرآن و سنت نے جو موقف طے کیا وہ پانچ ایسے اصولوں کو جمع کرتا ہے جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے: **وجود کا اثبات** — کہ یہ غیب پر ایمان کا حصہ ہے؛ **اُن سے علمِ غیب کی نفی** — تو نہ کہانت ہے نہ نجوم؛ **اُن کی پناہ پکڑنے کی حرمت** اور اُسے شرک ٹھہرانا؛ **علاج کا حکم** اور گمانوں پر طب کو مقدم کرنا؛ **اللہ کے ذکر سے حفاظت** بغیر کسی واسطے، بغیر اجرت اور بغیر رسومات کے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ پورا نظام مل کر خود دلیل ہے۔ اگر یہ دین اُس ماحول میں کسی انسان کا بنایا ہوا ہوتا، تو اُس کے لیے سب سے آسان — اور سب سے نفع بخش — یہ تھا کہ وہ کہانت کی چلتی ہوئی لہر پر سوار ہو جاتا: غیب کا علم اپنے لیے ثابت کرتا، اپنے پیروکاروں کے لیے ایک ایسا واسطہ بناتا جو اُنہیں کمائی دیتا، اور لوگوں کے مجہول سے خوف پر ایک روحانی اقتدار کھڑا کرتا۔ اور بہت سی قوموں میں مذہبی اداروں نے یہی کیا۔ لیکن جو یہ دین لے کر آیا اُس نے بالکل الٹا کیا: **اپنے آپ سے علمِ غیب کی نفی کی، کہانت اور تعویذوں کو باطل کیا، ہر فرد کے ہاتھ میں مفت ہتھیار دے دیا،** اور **دم کرنے والے سے پہلے طبیب کا حکم دیا**۔ جو ایسا کرے وہ اپنے لیے اقتدار نہیں بنا رہا — بلکہ وہ ایک پیغام پہنچا رہا ہے جو اُس کے سپرد کیا گیا۔